تقویٰ کے معنے ہیں شیطانی حملوں سے بچنا اور خدا تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈنا

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۶؍مئی ۱۹۷۷ء بمقام مسجد اقصیٰ ربوہ)

تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے فرمایا:-

کئی ہفتوں سے چھوٹی موٹی بیماری ساتھ لگی رہتی ہے جس کے نتیجہ میں ضعف دُور ہی نہیں ہو چکتا اور اس کی وجہ سے کام پر اثر پڑ رہا ہے۔ دوست دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کامل صحت دے اور کام کرنے کی توفیق دے اور جس غرض کے لئے اس نے ہمیں پیدا کیا اور زندہ رکھا ہے اس غرض کو پورا کرنے کے لئے ہمیں انتہائی کوشش اور مجاہدہ کی توفیق عطا کرے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصۡلَحَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ (الاعراف:۳۶) اسی طرح فرمایا کہ تم خدا کے محتاج ہو خدا تمہارا محتاج نہیں ہے۔ اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الۡغَنِىُّ الۡحَمِيۡدُ (فاطر:۱۶) انسان کا شیطان اس پر دوطرفہ حملہ کرتا ہے۔ اس کا ایک حملہ تو اس رنگ میں ہوتا ہے کہ وہ انسان کو جھوٹے وعدے دے کر بدیوں اور برائیوں اور گناہوں کی طرف بلاتا ہے اور دوسرا حملہ اس کا یہ ہے کہ وہ نیکیوں سے روکتا ہے اور خدا تعالیٰ کے قرب کی راہوں کو خدا کے بندوں پر مسدود کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ ان ہر دو حملوں سے حفاظت کے لئے اور خود کو بچانے کے لئے انسان خدا تعالیٰ کی پناہ ڈھونڈے۔ یہ بھی کہ شیطان کا یہ وار کہ وہ انسان کو گناہ پر، بدی پر، دوسروں کو دکھ پہنچانے پر جو اکساتا ہے خدا تعالیٰ مدد کو آئے اور ڈھال بنے اور شیطان کے اس قسم کے حملوں میں شیطان

ناکام ہو اور خدا تعالیٰ کی ڈھال اس کے نیک بندے کو شیطانی حملوں سے محفوظ کر دے اور پھر دوسری طرف سے شیطان یہ حملہ کرتا ہے کہ انسان نیکیاں نہ کرے یا نیکیوں میں سستی دکھائے یعنی جتنی نیکی کر سکتا ہے اتنی نہ کرے اور تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰهِ کے ماتحت اچھے اخلاق اس میں پیدا نہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا رنگ اس پر نہ چڑھے ہر انسان کے شیطان کی یہ کوشش ہوتی ہے۔ چنانچہ اس محاذ پر خدا تعالیٰ کو ڈھال بنانے کا یہ مطلب ہے کہ اے خدا! تیری راہ میں قدم بڑھانے کے راستے میں شیطان جو روک ڈالے، نیکیوں سے روکے، حُسنِ سلوک سے روکے انسان تیری رحمت اور رضا کے حصول کے لئے تیرے ساتھ صدق وصفا کا جو تعلق پیدا کرتا ہے اس کے رستے میں روک بنے، تیرے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کا جو حکم دیا گیا ہے اس کے رستے میں وہ روک بنے غرضیکہ ہر قسم کی نیکیوں کی راہوں میں جو شیطان روک بنے ہمیں اس کے اس قسم کے حملوں سے بچا اور خود ہمارے لئے ڈھال بن جا۔ تقویٰ کے یہ دونوں معنی ہیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام نے جو احکام اوامر و نواہی دیئے ہیں ان میں سے ہر حکم پر جو انسان نے عمل کرنا ہے اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ تمام بدیوں سے چھٹکارا اس وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب تقویٰ کی راہوں کو اختیار کیا جائے اور نیکیاں اسی وقت کی جا سکتی ہیں جب تقویٰ انسان کے روحانی وجود کی زینت بنے۔ ہر حکم کے ساتھ تقویٰ ضروری ہے۔ کوئی حکم جو برائی سے روکنے والا ہو یا اچھائی پر ابھارنے والا ہو وہ انسان بجا نہیں لا سکتا جب تک وہ تقویٰ کی راہ کو اختیار نہ کرے۔ اسی واسطے جب انسان بظاہر نیکی کر رہا ہو اور بظاہر تقویٰ کا مظاہرہ کر رہا ہو اس وقت بھی اگر حقیقی تقویٰ نہیں ہے تو وہ نیکی نہیں رہتی مثلاً صدقہ ہے، صدقات دینا نیکی کا کام ہے (صدقہ کے مختلف معانی ہیں مَیں اس وقت ان معانی میں نہیں جاؤں گا) بظاہر یہ نیک کام ہے لیکن اگر اس کے ساتھ تقویٰ نہیں، اگر صدقات بجالانے والا متقی نہیں، اگر وہ تقویٰ کی راہوں کو اختیار نہیں کرتا اور تقویٰ کی شرائط کو پورا نہیں کرتا تو صدقات نیکی نہیں رہتے۔

لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى (البقرۃ:۲۶۵) اگر صدقات بھی ہیں اور منّ اور اذیٰ بھی ہے تو پھر وہ نیکی نہیں رہیں گے اس لئے تقویٰ ضروری ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں بتایا ہے کہ

''ہر اک نیکی کی جڑ یہ اتقا ہے''

اگر کسی نیکی کی جڑ اور اس کی اصل اور اس کی بنیاد تقویٰ نہیں تو وہ نیکی نہیں ہے۔

پس خدا تعالیٰ نے جو قرآن کریم میں ہمیں سینکڑوں احکام دیئے ہیں کہ یہ نہ کرو یہ کرو حقیقی متقی وہ ہے جو ان تمام احکام کو تقویٰ کے اصول پر بجا لا رہا ہو، نہ کرنے والے احکام کو بھی اور کرنے والے احکام کو بھی۔ جو شخص ایسا نہیں وہ کامل متقی نہیں اور اگر کوئی شخص دو ایک باتیں ایسی کرنے والا ہو جو بظاہر نیکی ہوں اور باقی نہیں تو وہ متقی نہیں کہلائے گا۔ مثلاً ایک وقت میں بعض علاقے نوآبادیات کہلاتے تھے غیر ممالک نے ان پر قبضہ کیا ہوا تھا اور ظاہر یہ کر رہے تھے کہ ہم ان کی بڑی خیرخواہی کرتے ہیں اور ان کی ترقیات کے منصوبے بناتے ہیں۔ انگریزوں کی بھی نوآبادیات تھیں، فرانسیسیوں کی بھی، ہالینڈ کی بھی، جرمنی کی بھی اور بیلجیئم کی بھی تھیں۔ پھر ان کی آپس میں لڑائیاں ہوئیں کوئی پیچھے چلے گئے اور کوئی آگے آگئے۔ میں مثال کے طور پر صرف ایک خُلق کو لیتا ہوں جو بڑا بنیادی خُلق ہے۔ وہ بنیادی خُلق یہ ہے کہ دیانت کے اصول کو اپنانا چاہیئے۔ بددیانتی کے نتیجہ میں کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ نہ خدا ملتا ہے نہ دنیا ملتی ہے۔ دنیا کی کوئی قوم جو بددیانت بن جائے کوئی قوم جو دیانت کے اعلیٰ معیار پر اپنے آپ کو نہ پہنچائے وہ ترقی کر ہی نہیں سکتی۔ تنزل کر سکتی ہے ترقی نہیں کر سکتی۔ اب یہ جو غیر ممالک کے حاکم تھے جہاں تک ان کے اپنے ملک کا تعلق ہوتا تھا وہ انتہائی طور پر دیانتدار تھے۔ کوئی جرمن اپنے ملک سے بددیانتی نہیں کر رہا ہوتا۔ کوئی ہالینڈ کا باشندہ اپنے ملک سے بددیانتی نہیں کر رہا ہوتا۔ کوئی بیلجیئم کا باشندہ اپنے ملک سے بددیانتی نہیں کر رہا ہوتا لیکن ان کے ماتحت جو نوآبادیات تھیں وہاں کے ملکوں کے ساتھ وہ انتہائی طور پر بددیانت تھے۔ چنانچہ جب میں ۱۹۷۰ء میں باہر گیا تو پہلا ملک جہاں میں گیا وہ نائیجیریا تھا۔ میں بڑا حیران ہوا کہ قدرتی دولت کے لحاظ سے اتنا امیر ملک ہے لیکن عوام غریب ہیں۔ میرے دماغ میں یہ فقرہ آیا کہ ''خدا نے تمہیں سب کچھ دیا تھا اور محروم کرنے والے نے تمہیں ہر ایک چیز سے محروم کر دیا''۔ وہاں کے جو سربراہ مملکت تھے ان سے بھی میں نے یہ بات کہی تو انہوں نے اسی وقت کہا یعنی ان کے دماغ میں بھی یہی اثر تھا۔ کہنے لگے

How true you are, How True you are. یعنی کیسی سچی بات آپ کہہ رہے ہیں لیکن وہ قوم جو باہر سے آ کر ان پر حاکم بنی تھی وہ اپنے ملک میں بڑی دیانتدار تھی۔ ہر پہلو میں ہر شعبۂ زندگی میں وہ اپنے ملک میں دیانتدار تھی۔ جب کپڑا بناتے تھے تو جو کہتے تھے کہ اس چیز کا یہ کپڑا بنا ہوا ہے وہی ہوتا تھا۔ اگر کہتے تھے کہ اتنے موٹے دھاگے کا بنا ہوا ہے تو اتنے ہی موٹے دھاگے کا ہوتا تھا۔ دوسری اشیاء جو وہ بنا رہے تھے اور باہر بھیج رہے تھے وہ بڑی دیانتداری کے ساتھ بھیج رہے تھے۔ جہاں تک معاملات کا تعلق تھا اپنے باہمی معاملات اور تعلقات میں وہ بڑے دیانتدار تھے لیکن اسی وقت میں جب کہ وہ اپنے لئے دیانتدار تھے۔ غیروں کے لئے بددیانت تھے۔ پس جو لوگ احکام الٰہی یا جو انسانی فطرت کے تقاضے ہیں۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ ان میں سے بعض کو پورا کریں اور بعض کو نہ کریں تو وہ حقیقی متقی نہیں۔ حقیقی متقی بننے کے لئے ضروری ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کے تمام احکام کو تقویٰ کے اصول پر بجا لا رہا ہو یا ہماری دنیوی زندگی میں جو ایک جدو جہد، ایک مجاہدہ جاری ہے اگر وہ خلوص نیت کے ساتھ اور انتہائی کوشش کے ساتھ تقویٰ کے میدانوں میں آگے بڑھنے کی کوشش کر رہا ہو تو اس کو بھی ہم متقی کہیں گے کیونکہ اگر چہ وہ اپنی استعداد کے انتہائی معیار پر اور ارفع معیار پر ابھی نہیں پہنچا لیکن اپنی استعداد کے ارفع معیار تک پہنچنے کے لئے حتی الوسع پوری کوشش کر رہا ہے لیکن اگر ایک شخص مالی معاملات میں دیانتدار ہے لیکن اپنے ملکوں میں بھی جہاں تک عورت کی عزت کا سوال ہے وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا تو اس کو ہم متقی نہیں کہیں گے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ انسان یا تو اللہ کے فضل سے اپنی استعداد کی انتہا تک پہنچ جائے اور پھر اسے قائم رکھنے کی خدا تعالیٰ سے توفیق پا رہا ہو ایسا شخص حقیقی متقی ہے۔ یا متقی وہ بھی ہے جو اس غرض اور اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی کوشش میں لگا ہوا ہے، جو ٹھوکر کھاتا ہو اور پھر کھڑا ہو کر شیطان کی طرف نہ دوڑتا ہو بلکہ اپنے خدا کی طرف دوڑ رہا ہو۔ استغفار اور توبہ کا یہی مفہوم ہے۔ انسان غلطی کرتا ہے۔ اس کے اندر بشری کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ پھر جتنا جتنا وہ تقویٰ کی رفعتوں میں بلند ہوتا چلا جاتا ہے باریک باریک چیزیں جو عوام کے لئے گناہ نہیں ہوتیں اس شخص کے لئے گناہ بن جاتی ہیں۔ یہ ایک علیحدہ مضمون ہے جو عارف تر ہے۔ وہ ترساں تر ہے۔ سب سے

زیادہ خدا تعالیٰ کا خوف اور خشیت اس کے دل میں پائی جاتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو عام استعداد کا مالک ہے اس پر کوئی الزام ہے۔ اسی واسطے میں نے کہا تھا کہ حقیقی متقی وہ ہے جو اپنی استعداد کے لحاظ سے یا تو اپنے کمال کو پہنچ چکا ہو یا اپنی استعداد کے لحاظ سے اپنے کمال کے حصول کے لئے کوشش کر رہا ہو۔

ان لوگوں کے متعلق جو ہر پہلو سے خدا کا خوف رکھتے ہیں اور ہر پہلو سے خدا تعالیٰ سے پیار کرنے والے ہیں اور یا تو اپنی استعداد کے کمال کو قریباً پہنچ چکے ہیں (ہمارے علم اور تجربہ کے مطابق کمال بھی بڑھتا جاتا ہے) اور یا اس کے حصول کے لئے کوشاں ہیں اور اس میں سستی نہیں دکھا رہے ان کے متعلق یہ ہے فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ کہ یہ جو حقیقی متقی ہیں ان کو نہ پچھلا کوئی غم رہتا ہے اور نہ آگے کی کوئی فکر رہتی ہے یعنی جو غلطیاں انسان سے ہو چکی ہوتی ہیں خدا تعالیٰ کے پیار کی آواز کہتی ہے کہ میری ستاری نے انہیں ڈھانپ لیا۔ جس کو خدا تعالیٰ کی یہ آواز پہنچ رہی ہو کہ خدا کی ستاری نے اسے ڈھانپ لیا اسے تو پھر کوئی غم اور فکر باقی نہیں رہتا اور جسے یہ وعدہ دیا گیا ہو کہ ہم تمہاری انگلی پکڑ کر تمہیں آگے ہی آگے لے جائیں گے اس کو بھی کوئی فکر نہیں ہے۔ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ (الاعراف:۱۹۷) متقیوں میں سے ایک گروہ اپنے کمال کو پہنچا ہوا ہوتا ہے اور پھر کوشش کرتا ہے کہ کمال سے نیچے نہ گرے۔ بعض لوگ کمال تک پہنچنے کے بعد بھی گر جاتے ہیں۔ ایسی مثالیں بھی پائی جاتی ہیں قرآن کریم میں بھی ان کا ذکر ہے لیکن جو گروہ کمال کو پہنچا ہوا ہے اور کمال پر رہنے کی کوشش کر رہا ہے ان کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ ان کی آنکھیں بن جاتا ہے جن سے وہ دیکھتے ہیں، خدا تعالیٰ ان کے کان بن جاتا ہے جن سے وہ سنتے ہیں، خدا تعالیٰ ان کے ہاتھ بن جاتا ہے جن سے وہ کام کرتے ہیں، خدا تعالیٰ ان کے پاؤں بن جاتا ہے جن سے وہ چلتے ہیں یعنی ان کی ہر حرکت اور سکون اللہ تعالیٰ کے منشا کے مطابق اور اس کی رضا کے سائے میں اور اس کی برکتوں کو حاصل کرنے والی بن جاتی ہے۔ ہر انسان کی یہ خواہش ہونی چاہیئے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر احمدی کی یہ خواہش ہے کہ خدا تعالیٰ کا اس قسم کا پیار کا سلوک اس کے ساتھ ہو۔ ہر احمدی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ متقی بننے کے لئے انتہائی کوشش کر رہا ہو اور شیطان کی آواز کو سننے والا نہ ہو۔

اسلام نے جو نیکیاں ہمیں بتائی ہیں وہ آگے پھر دو حصوں میں تقسیم ہوجاتی ہیں۔ ایک حقوق اللہ ہیں جن کو ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور ایک حقوق العباد ہیں جن کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ کہا گیا ہے۔ صالح کے معنی عربی لغت میں یہ بتائے گئے ہیں کہ القائم بالحقوق و الواجبات جو بھی حقوق اور واجبات کسی انسان پر ہیں ان کو قائم کرنے والا یعنی وہ ان کی ادائیگی میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا اور اپنی ذمہ داریوں کو پوری توجہ کے ساتھ اور پوری ہمت کے ساتھ پورا کرتا ہے۔ ان حقوق میں اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ہیں اور ان حقوق میں بندوں کے حقوق بھی ہیں کہ بندوں کے ساتھ مروّت سے پیش آؤ، ان سے حسن سلوک کرو، ان کے دکھوں کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔ (صلاح کے معنی فساد سے الٹ ہیں) فساد کو مٹانے کی کوشش کرو، فساد کی آگ کو اور زیادہ بھڑکانے کی کوشش نہ کرو۔ یہ متقی کا کام ہے، یہ ایک احمدی کا کام ہے اور جس وقت وہ اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں کامیاب ہوجاتا ہے تو اس وقت اس کو جو صلہ ملتا ہے وہ خدا تعالیٰ کا پیار اور اس کی محبت ہے، بہت بڑا صِلہ ہے۔ اس کے مقابلے میں تو ہر دو جہان قربان کئے جاسکتے ہیں۔

ہمیں خدا تعالیٰ نے جذبہ بھی دیا ہے اور عقل وفراست بھی دی ہے۔ بنیادی جذبہ، جس کے پیچھے دوسرے سب جذبات چلتے ہیں، خدا تعالیٰ کے ساتھ ذاتی محبت کا جذبہ ہے۔ محبت بھی ایک جذبہ ہے لیکن خدا تعالیٰ کے ساتھ ذاتی محبت کے جذبہ کے نیچے باقی سارے جذبات آجاتے ہیں اور جو شخص اپنے رب کریم سے ذاتی محبت رکھتا ہو اس کے اندر کوئی ایسا جذبہ نہیں پایا جائے گا جو اس محبت کے مخالف ہو۔ جس طرح خدا تعالیٰ رب العالمین ہے اور اس نے ہر چیز کو انسان کی خدمت کے لئے پیدا کیا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کا وہ بندہ بھی ہر انسان کی خدمت کرنا اپنے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے انسان کو فراست بھی دی ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (النور:۳۶) نورِ فراست خدا سے خدا کا بندہ بھی حاصل کرتا ہے لیکن یہ نہیں ہے کہ ایک مومن کے اعمال محض فراست کی بنیادوں پر قائم ہوتے ہیں۔ نہیں بلکہ وہ نور و فراست اور جذبہ ہر دو کے امتزاج پر قائم ہوتے ہیں لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے فراست، وہ جسے ہم نورِ فراست کہہ سکتے ہیں جو اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے انسان حاصل کرتا

ہے اور جذبہ وہ جو اللہ تعالیٰ سے ذاتی محبت کے جذبہ کے ماتحت ہو، جب یہ دونوں مل جاتے ہیں تو عقل کام کرتی ہے۔ بعض لوگ محض جذباتی فیصلے کرتے ہیں اور فساد پیدا کر دیتے ہیں اور بعض لوگ محض عقل کے روکھے سوکھے فیصلے کرتے ہیں اور بہتوں کے لئے تنگی اور دم گھٹنے کے سامان پیدا کر دیتے ہیں۔ انسان محسوس کرتا ہے کہ یہ کہاں سے آ گیا ہے مجھ سے سانس بھی ٹھیک طرح نہیں لی جاتی۔ اس قسم کے فیصلے ہو جاتے ہیں۔ ہمیں امت مسلمہ کو اسلام میں یہ کہا گیا ہے کہ تم اپنے فیصلے نورِ فراست اور جذبہ کا جو حسین امتزاج ہے اس کی بنیاد پر کیا کرو کیونکہ نورِ فراست یعنی اللہ تعالیٰ کے نور اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ انسان کا جو پیار کا تعلق ہے اس کی بنیاد پر جو فیصلہ ہو گا اس سے بہتر کوئی فیصلہ ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسے فیصلے ہمیں اپنی زندگیوں میں کرنے چاہئیں اور دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا کرے۔

ہم خدا تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ قرآن کریم میں اَنۡتُمُ الۡفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ کا اعلان کیا گیا ہے اور اللہ ہی اَلۡغَنِیُّ الۡحَمِیۡدُ ہے اس لئے یہ سمجھنا کہ اپنی کوشش سے ہم تقویٰ کے تقاضوں کو پورا کر لیں گے، اپنی کوشش سے ہم نورِ فراست کو حاصل کر لیں گے یا خدا تعالیٰ سے ذاتی محبت کے جذبہ کو ایسا بھڑکائیں گے کہ ہر خس وخاشاک کی طرح جل کر راکھ ہو جائے گا اور ختم ہو جائے گا اور ہمارے لئے کسی دُکھ اور کسی ضرر اور کسی عذاب کا موجب نہیں بنے گا یہ غلط ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ کے بغیر کوئی نیکی ممکن نہیں، کسی گناہ کو چھوڑنا ممکن نہیں اور تقویٰ کا حصول سوائے (۱) اس احساس کے کہ ہم خدا کے محتاج ہیں خدا ہمارا محتاج نہیں اور (۲) دعائیں کر کے خدا تعالیٰ سے توفیق پانے کے اور کسی طرح ممکن نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان حقائق زندگی کو سمجھنے کی توفیق عطا کرے اور اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو مقبول کرے اور ہماری سعی کو مشکور کرے یعنی ان پر ہمیں اس طرح کے بدلے دے جس طرح انسان انسان کا شکر گزار ہو جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ تو غنی ہے اس میں شک نہیں لیکن جب بندہ اس کی طرف جھکتا ہے تو خدا کہتا ہے کہ میں جو تمام قدرتوں کا مالک ہوں میں نے ہر چیز اس بندے کے لئے پیدا کر دی لیکن یہ بندہ جو اپنے اندر ہزار کمزوریاں رکھتا ہے ہر چیز کو ٹھکرا کر میری طرف آیا۔ چنانچہ وہ اس کا بدلہ دیتا ہے، بدلہ دیتا ہے اپنے پیار سے اور پیار کے نتیجہ میں جو کچھ بھی مل

سکتا ہے وہ پھر اس بندے کو مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے اور اللہ تعالیٰ اس دنیا سے فساد کو دور کرے اور انسان کے لئے امن کے حالات پیدا کرے‘‘۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۴؍ جولائی ۱۹۷۷ء صفحہ ۲ تا ۵)